سارہ جمالی*

"ایاز قادری–اپنے دور کا مثالی افسانہ نگار"

AYAZ QADRI – AN OUTSTANDING SHORT STORY WRITER OF HIS TIME

Abstract: *Ayaz Qadri occupies an important position in Sindhi literature of our times. He was from Qadri family of writers, poets and journalists of Larkana. Born in 1924 and got higher education from Karachi and did Ph.D under supervision of Allama Ghulam Mustafa Qasmi. He was poet and eminent short story writer.*

In the history of Sindhi short story, he played a vital role. Due to migration of Hindu Writers after creation of Pakistan, a vacuum was created in writing of short stories. Because, there were no experienced story writers in Sindhi. Dr. Ayaz Qadri from the platform of Sindhi Adabi Sangat started lecture program on the short story, its history and technical requirements.

He was an outstanding short-story writer of his time, in this paper I have dwelt with his art of story-writing and by giving evidences from his writings, have proved his position in the history of Sindhi short stories.

Keywords: *Short-story, Sindhi, Ayaz Qadri, Urdu, Translation.*

تلخیص: ایاز قادری ہمارے عہد کے سندھی ادب میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ وہ لاڑکانہ کے قادری خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جو اہل قلم، شعرا اور صحافیوں کے خاندان کے طور پر مشہور ہے۔ ان کی پیدائش 1924ء میں ہوئی۔ انہوں نے کراچی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی کی نگرانی میں پی ایچ۔ڈی کی۔ وہ ایک شاعر اور ممتاز افسانہ نگار تھے۔ سندھی افسانے کی تاریخ میں ان کا کردار نہایت نمایاں ہے۔ پاکستان کے قیام کے بعد ہندو ادیبوں کی ہجرت سے سندھی افسانے کے میدان میں ایک خلا پیدا ہو گیا، کیونکہ اس وقت سندھی زبان میں تجربہ کار افسانہ نگار موجود نہیں تھے۔ ڈاکٹر ایاز قادری نے اس خلا کو پُر کرنے کے لیے سندھی ادبی سنگت کے پلیٹ فارم سے افسانے کی تاریخ، فنی تقاضوں اور اس کی تکنیک پر لیکچر پروگرام کا آغاز کیا۔ وہ اپنے زمانے کے نمایاں افسانہ نگار تھے۔ اس مقالے میں ان کے فنِ افسانہ نگاری کا جائزہ لیا گیا ہے، اور ان کی تحریروں کے حوالے دے کر سندھی افسانے کی تاریخ میں ان کے مقام کو ثابت کیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ: افسانہ، سندھی، ایاز قادری، اردو، ترجمہ۔

ایاز قادری کا تعلق سندھی افسانے کے نئے دور سے ہوتا ہے، جس کا آغاز ۱۹۴۷ء کے بعد ہوتا ہے۔ سندھی ادب کی تاریخ میں اس دور کو سندھی افسانے کے لیے بحران کا دور کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس سے قبل پبلشرز اور لکھنے والے اکثر ہندو تھے، جو انڈیا چلے گئے۔

*پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔

اس کے بعد افسانے کی ترقی کافی حد تک رک گئی۔ آزادی سے پہلے سندھ میں افسانے کی ارتقاء کے لیے متعدد جرائد و رسائل شایع ہوتے تھے، جیسے "آکھانی"، "سندھ ساہتیہ"، "آشا" اور "کہانی" وغیرہ۔(۱)

سندھ میں ۱۹۵۰ء کے بعد اشاعتی ادبی کاوشوں کا آغاز ہوا اور سہ ماہی "مہران" اور ماہنامہ "نئی زندگی" جیسے جرائد شایع ہونے لگے۔ سن 1960ء کے بعد سندھی افسانے نے کافی ترقی کی۔ اس دور میں متعدد افسانہ نگاروں نے اپنی کاوشوں کی بدولت بڑا نام کمایا، جن میں جمال ابڑو، ایاز قادری، غلام ربانی آگرو، غلام نبی مغل، امر جلیل، علی بابا، طارق اشرف، رشیدہ حجاب، سراج، ماہتاب محبوب اور حمید سندھی کے اسماء گرامی قابلِ ذکر ہیں۔(۲)

سندھی افسانے کے جدید دور میں، جب اس پر انحطاط کا دور تھا، اور نئے افسانہ نگار افسانے کے فن و فکر سے بھرپور انصاف نہیں کر سکتے تھے، تو اس زمانے میں ایاز قادری اور ان کے ادبی رفقاء نے کراچی میں "سندھی ادبی سنگت" کے پلیٹ فارم سے افسانوی ادب سے فنی اور فکری روایات پر لیکچرس کا اہتمام کیا، اور اس کاوش نے سندھی افسانے کے معیار و مقدار پر بڑے بڑے مثبت اثرات چھوڑے۔(۳)

سندھی افسانے کا جدید دور شروع ہوا تو "پشو پاشا" (جمال ابڑو)، "بلو دادا" (ایاز قادری)، "آبِ حیات" (غلام ربانی آگرو)، "نئوں شہر" (غلام نبی مغل)، "اے درد بھلی آ" (سراج)، "اداس وادیوں" (حمید سندھی) اور "شبنم شبنم کنول کنول" (نسیم کھرل) وجود میں آئے۔(۴)

اس دور کے نامور افسانہ نگاروں میں ایاز قادری صفِ اول کے چند گنے چنے افسانہ نگاروں میں سے ایک تھے۔ اس کی ادبی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے متعدد افسانے اردو زبان میں بھی ترجمہ کئے گئے، جن میں ان کے افسانے "بلو دادا"، "فرشتہ"، "کتے کی موت"، "لیڈر"، "بے وقوف"، "قانون"، "بہروپیا"، "حاجراں"، "بے شرم"، "کفن چور"، اور "میں انسان ہوں" وغیرہ لائقِ ذکر ہیں۔

ایاز قادری کے معروف افسانوں کے ذریعے ان کی کہانیوں اور کرداروں کا جائزہ لیا جائے گا تاکہ ہم سندھ کی سماجی زندگی کے پس منظر میں ان کی افسانہ نگاری کی اہمیت کا اندازہ کر سکیں۔ زیرِ بحث ان کے یہ تمام افسانے اردو میں ترجمہ اور شایع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔

بلو دادا:

"بلو دادا" شہر کراچی کے ایک عام ماحول میں لکھی ہوئی کہانی ہے جو (Anti-Hero) اور جدید بنیادوں پر استوار ہے۔ اس کہانی میں بڑی مہارت سے ایک انتہائی منفی سوچ رکھنے والے دادا گیر (غنڈے) اور بدنام کردار کی بڑی مہارت و مشاقی کے ساتھ مقصدیت کے

پیرائے میں عکاسی کی گئی ہے۔ بلو دادا، ایک ایسا آئینہ ہے جس میں سندھی سماج اپنے تمام رنگوں کے ساتھ نظر آتا ہے۔ بلو دادا جو عرف عام میں ایک غنڈا اور بد معاش بھی ہے۔ بلو دادا اپنے یاروں کا دم بھرنے والا سچا یار اور دشمنوں کے لیے موت کے فرشتے کی مانند تھا۔ ایک ایسا شخص جو بد معاشوں کے لیے مرد آہن اور کمزوروں کے لیے موم ہے۔ ایسے لوگ جن سے سماج کے برے لوگ خوف کھاتے ہیں اور موقع ملتے ہی ان کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیتے ہیں۔ وہ شخص بے آسرا لوگوں کا آسرا تھا، ان کا سہارا تھا۔ اسے غنڈا ایکٹ کے تحت شہر بدر کر دیا جاتا ہے اس طرح سے یوں وہ شخص جو برے لوگوں کے لیے دہشت کی علامت تھا، راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے۔(۵)

فرشتہ:

مزدوروں اور محنت کشوں کی غیر انسانی، تلخ صورتحال کی حقیقی عکاسی کرتا ہے اور انسان کی اس جذباتی کشمکش کی تصویر دکھاتا ہے جب انسان اپنے ہاتھوں سے اپنی ماں کو زہر دے کر اسے طویل اور تکلیف دہ بیماری سے نجات دلاتا ہے۔ کہانی کا ہیرو غریب اور محنت کش ہے جو اپنی غربت کے باوجود ضعیف ماں کی دیکھ بھال کرتا ہے اور اس کے علاج معالجے میں بھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتا لیکن اس کی ماں کی علالت طول پکڑتی جاتی ہے اور تکلیف میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ محبت کرنے والا بیٹا خود اپنی ماں کو زہر دے کر اسے مصائب اور تکلیف سے نجات دلا دیتا ہے۔ یہ دکھوں کی انتہا ہے جہاں انسان اپنی طبعی سرشت کے خلاف عمل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس افسانے میں ایاز قادری انسانی فطرت کے ایک ایسے پہلو کو سامنے لاتے ہیں جو بظاہر تو تاریک دکھائی دیتا ہے لیکن اپنے نتائج میں اس کا عمل ضعیف ماں کو اذیت سے نجات دلانا ہے۔(۶)

کتے کی موت:

افسانہ "کتے کی موت" میں انسان کی بے حسی کی عمدہ مثال پیش کی گئی ہے کہ وڈیروں کی نظر میں انسان کی نہیں، کتے کی زیادہ عزت ہے، کس طرح سے ایک وڈیرہ اپنے کتے کے لیے بے چین تھا جو صبح سے نائب تھا۔ گلو نامی نوکر نے کتے کو تلاش کر کے وڈیرے کے پاس پہنچا دیا سردی کے مارے گلو کی طبیعت بگڑ گئی دوسری طرف وڈیرے کی کم ظرفی دیکھیے کہ کتے کو تو آرام دہ بستر نصیب ہوا اور گلو سردی میں ٹھٹھر کر مر گیا۔ انسان سے کتے کی اہمیت زیادہ ہے اور گلو کتے کی موت مرا۔(۷)

لیڈر:

"لیڈر" پاکستان بننے کے بعد کا افسانہ ہے۔ اسکے سجے ہوئے پنڈال میں سبز پرچم لہرا رہا ہے اور ایک لیڈر ہے جس کا ماضی اس کا تعاقب کرتے ہوئے ہال میں آجاتا ہے۔ ایک ایسا ہال جس میں ایک طرف عظمت کی بلندیاں ہیں اور دوسری طرف رسوائی کی پستیاں،

لیڈر، معاشرے کے دوغلے پن کی کہانی ہے جس میں معاشرے کے ان خاص طبقات کی نفسیات کی نشاندہی کی گئی ہے، جنہوں نے بزعمِ خویش معاشرے کی رہنمائی کا فریضہ اختیار کر رکھا ہے۔(۸)

بے وقوف:

اِس افسانے میں بتایا گیا ہے کہ انسان اپنے دل کی بات کسی کو بھی بآسانی نہیں بتا سکتا، افسانے میں بھی ایک شخص اپنے دل کی بات اپنی کلاس میٹ کو بتا نہیں پا رہا کہ وہ کس طرح سے اپنے دل کی بات کہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ بن دیکھے اور بغیر بولے اس کے دل کی بات سمجھ جائے وہ کوشش بھی کرتا ہے، کہ بات کر سکے، مگر نہیں کر سکا تو وہ لڑکی اسے بے وقوف کہہ کر آگے نکل جاتی ہے۔(۹)

قانون:

کہانی میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ کس طرح سے قانون کے رکھوالے، عوام کے محافظ کہلانے والے کس طرح سے لوگوں کو تنگ کرتے ہیں۔ پولیس گردی کو واضح کیا گیا ہے، ایک شریف شہری کو کس طرح سے تنگ کرتے ہیں اُس کا چالان کر دیتے ہیں، یعنی ہر طرح سے غریب عوام ہی پستے ہیں۔ قانون کے رکھوالے ہی ان کے دشمن ہوتے ہیں۔(۱۰)

بہروپیا:

اس افسانے میں انسانوں کے کئی روپ دکھائے گئے ہیں۔ کہیں محبت کہیں نفرت تو کہیں صرف دکھاوا۔ بیک وقت ایک ہی انسان کے وہ مختلف روپ دکھائے گئے ہیں۔ انسان ہی انسان کو ڈستا ہے۔(۱۱)

ہاجراں:

افسانے میں بے جوڑ شادی کے متعلق بتایا گیا ہے کہ آج بھی ہمارے سماج میں عورت کی کوئی عزت نہیں اسے بھیڑ بکریوں کی طرح بیچا جاتا ہے۔ افسانہ "باجراں" میں بھی باجراں کو اس کا باپ محض چند ہزار روپوں کے عیوض اپنی عمر کے شخص کے ساتھ اس کا بیاہ کر دیتا ہے۔ کس طرح سے انسانی رشتوں کی تذلیل کی جاتی ہے۔ ایسا کب تک ہوتا رہے گا؟ کب تک ایسے ہی بیٹیاں بیاہی جاتی رہیں گی اور روز بروز جیتی اور مرتی رہیں گی۔(۱۲)

بے شرم:

افسانہ "بے شرم" میرے کالج میں پڑھنے والے اشرف اور عزیز میاں کی کہانی بیان کی گئی ہے کس طرح سے ان کی ملاقات ڈرامائی انداز میں ہوتی ہے اور پھر سچ یعنی حقیقت میں یہ لوگ مل جاتے ہیں۔(۱۳)

کفن چور:

افسانہ "کفن چور" میں ایک ایسا کفن چور جو مولوی ہے جو اپنی بیٹیوں کا تن ڈھانپنے کے لیے کفن چُراتا ہے اور اعترافِ جرم کے باوجود انصاف اور قانون اس کی مدد کو نہیں آتا۔(۱۴)

ماں اب نہیں کروں گا!

کہانی میں ایک ماں کی اپنے بیٹے سے محبت کا بڑے پیارے انداز میں ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح سے ایک ماں اپنے بچے کو پیار کرتی ہے اور جب کوئی ایسی حرکت کرتا ہے جو ماں کو ناگوار گذرتی ہے تو وہ بچے کو دھمکی دیتی ہے کہ "تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آنے والے۔ میں تم سے بات نہیں کروں گی۔ ہاں! اچھی طرح سے سُن لو میں ہمیشہ کے لیے گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی"۔ ہر دفعہ بیٹا اپنی ماں سے کہتا ہے کہ میں ایسی حرکتیں دوبارہ نہیں کروں گا۔(۱۵)

میں انسان ہوں:

"میں انسان ہوں" رومانی تصور کی حامل کہانی ہے جس میں ایک صوفی منش فقیر آدمی جو کسی مذہبی افتراق اور اختلاف کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور سب انسانوں کے درمیان عالمی بھائی چارے پر یقین رکھتا ہے۔ لیکن تقسیمِ ہند کے درمیان اٹھنے والے زہریلے غبار میں جب مذہبی منافرت لوگوں کو انسانیت کا دشمن بنا دیتی ہے اور قتل و غارت گری کا راکھشش خیر کی سب قدروں کو ملیامیٹ کر دیتا ہے تو چند مذہبی جنونی اس بے ضرر شخص کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں اور مرتے وقت اس کی زبان پر یہی ہوتا ہے کہ "میرے زخم، انسانیت کے جسم پر رِستے ہوئے زخم ہیں جو ہمیشہ رِستے رہیں گے اور میری موت خود انسانیت کی موت ہے یعنی ایک مسلسل موت۔۔۔"(۱۶)

حیوان:

اِس کہانی میں انسانیت کا سبق دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کس طرح سے انسانیت لوگوں میں ختم ہو گئی ہے اور لوگ حیوان بن گئے ہیں۔ شیطان صفت عادتیں ان میں منتقل ہو گئی ہیں۔ دنیا میں پیار محبت اور انسانیت نام کی چیز نہیں رہی ہے۔ انسان درندہ بن کر حیوانیت کی معراج تک پہنچ چکا ہے۔

کالی:

اس کہانی میں سیاہ کاری کے متعلق بیان ہوا ہے کہ بخشو نے کس طرح سے اپنی پاک دامن بیوی پر سیاہ کاری کا الزام لگا کر اسے قتل کر دیا تھا اور کاری (کالی) کر دیا تھا۔ مکافاتِ عمل ہے جیسا کرو گے ویسا ہی بھرو گے۔ بخشو کو بھی اپنی بیوی نوراں کی آہوں اور سسکیوں

نے بے چین کر دیا اور وہ پاگل ہو کر مر گیا۔ بخشو اسی اذیت کو سہتے ہوئے اس جہاں سے گذر گیا جیسے نوراں کی بے چین روح اب تک بھگت رہی تھی۔(۱۷)

قبروں کے بیچ میں:

اس کہانی میں بھی وڈیرو شاہی کے متعلق بتایا گیا ہے کہ کس طرح سے وڈیرے غریب لوگوں کو تنگ کرتے ہیں، افسانے میں بھی وڈیرہ غریب کی بیٹی کو اوطاق میں اغوا کر کے لاتا ہے، وڈیرے کے شیطان صفت بیٹے نے بوڑھے کی معصوم بیٹی کی عزت و عظمت کو روند ڈالا اور اپنا جرم چھپانے کے لیے اُسے مار کر گاؤں سے باہر بڑی نہر میں پھنکوا دیا اور اسکے بھائی کو بھی بے موت مار دیا گیا اسکی لاش بھی وڈیرے کی بیٹھک سے پولیس لائی اور خودکشی کا پرچہ کاٹ دیا۔ اب دونوں کے جنازے سب کے سامنے موجود ہیں۔ بوڑھے کو جب ان دونوں جنازوں کو دیکھنے کے لیے لایا جاتا ہے تو وہ بھی قبروں کے بیچ میں گر کر مر جاتا ہے۔۱۸)

شکار اور شکاری:

افسانہ "شکار اور شکاری" میں ہمارے سماج میں ہونے والے ایسے واقعات معمول کی طرح ہوتے رہے ہیں کبھی وڈیرہ شاہی کبھی پولیس گردی کبھی ٹھیکیداری نظام کو سماج کے باقی دوسرے معاملوں سے ہرگز الگ نہیں سمجھا جاتا، جس کی نظر میں یہ دھندہ کسی شکاری اور شکار کی طرح سے تھا۔ اس افسانے میں بھی ٹھیکیداری نظام کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ کاروبار دن بدن ہمارے سماج کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔ دوسری طرف انسان کی ہوس انسان کو فرشتہ سے شیطان بنا دیتی ہے۔ چند سو روپوں کی خاطر انسانیت کو لتاڑ دیا جاتا ہے۔ عورت کو کھلونا سمجھتے ہیں۔ انسان خود شکاری ہے اور خود ہی اس کا شکار ہوتا ہے۔(۱۹)

درد کا رشتہ:

یہ کہانی ہمارے سماج کے ارد گرد گھومتی ہے کہ کس طرح سے انسانیت کی تذلیل کی جاتی ہے، کہانی میں بتایا گیا ہے کہ ایک وڈیرہ اپنے قصبے میں اپنی دھاک بٹھانے کے لیے لوگوں کے ساتھ کس طرح کا ناروا سلوک کرتا ہے اور اپنی دولت پر گھمنڈ کرتا ہے وہ عام انسانوں کو حقیر سمجھ کر جہاں ان سے ناروا سلوک کرتا ہے وہاں اپنی طبعیت کی تیز مزاجی کے تیور بھی دکھاتا رہتا ہے۔ کسی مائی کے لال کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وڈیرے کے سامنے اپنی زبان کھول سکے۔

قصبے سے آدھے میل کے فاصلے پر جوگیوں کی بستی تھی وہاں رحمو نامی شخص سانپ پکڑنے جیسے دھندے کو اپنائے ہوئے تھا وہ اپنی نسل کا آخری جوگی تھا ڈھلتی عمر کے سالوں میں خدا نے رحمو کو سچ میں چاند جیسے بیٹے سے نوازا۔ بیٹے کی پیدائش کو وہ اپنے سالہا سالوں

سے مانگی ہوئی منتوں اور دعاؤں کا ثمر سمجھ کر بے انتہا خوش تھا۔ تیرہ برس کی عمر میں کھاتے پیتے ہنستے کھیلتے وہ اچانک ایک دن بیمار پڑ گیا اور نوبت موت تک آ پہنچی ڈاکٹروں نے جواب دے دیا کہ اسے کسی بڑے شہر میں لے جاؤ تب وہ بچ سکتا ہے، وہ وڈیرے کے پاس جاتا ہے لیکن بے رحم وڈیرے نے دوٹوک لفظوں میں انکار کر دیا ہے وہ وہاں سے چلا جاتا ہے اور کچھ ہی دنوں میں درد سے تڑپتے بلکتے باپ کے ہاتھوں سے بیٹا بہت دور چلا جاتا ہے۔ وقت اپنی رفتار سے رواں دواں تھا۔ کئی موسم آئے اور گذر گئے، خدا کا کرنا یہ ہوا کہ وڈیرے کے بیٹے کو اچانک سانپ کاٹ لیتا ہے بڑے بڑے ڈاکٹروں سے علاج کروایا پر سب بے سود، کوئی افاقہ نہیں ہوا تو ڈاکٹر نے جواب دے دیا کہ اس کا بس ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ کہ کوئی "زہر چوس کر پھینکنے والا جوگی" زہر چوس کر نکالے تو لڑکے کی جان بچ سکتی ہے۔ مکافاتِ عمل ہے جیسا کرو گے ویسا بھرو گے !وہ رحمو کے پاس آتا ہے گڑگڑاتا ہے اپنے بیٹے کو بچانے کے لیے ہر ممکن طریقے سے کوشش کرتا ہے آخر کار رحمو جوگی کو اس کے بیٹے میں اپنے بیٹے کا عکس نظر آتا ہے اور وہ دل ہی دل میں اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے بیٹے کو ہنستے ہوئے دیکھتا ہے کہ میرے پاس تو اس کے سوا کچھ نہیں درد کا رشتہ تو ایک ہی ہے اور میں سمجھ سکتا ہوں یہ دکھ اور پھر وہ ایک دم سے اٹھتا ہے اور وڈیرے کے بیٹے کو بچا لیتا ہے۔ انسانیت یہی ہے کہ مصیبت کے وقت کسی کے کام آنا نہ کہ بدلہ لینا۔(۲۰)

یہ ظلم اور کب تک!

کہانی میں دو جڑواں بھائیوں کی داستان بیان کی گئی ہے۔ موسیٰ اور عیسیٰ کا ایک دوسرے سے سچا پیار گاؤں کے ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر رہتا ہے۔ دونوں آباؤ اجداد کے زمانے سے وڈیرے کے کسان تھے۔ جن کو کھیتی باڑی اور کاشت کاری ہوش سنبھالتے ہی ورثے میں ملی تھی۔ وڈیرا بڑا ظالم تھا اور سود پر لوگوں کو قرض دیتا تھا۔ سود کو چکاتے چکاتے ان کی پوری زندگی قرض کی نذر ہو جاتی تھی۔ دونوں بھائیوں کو کام کا اتنا ہی معاوضہ ملتا جو پورے سال کی ضروریات مشکل سے ہی پوری ہوتی تھیں ان کا کل اثاثہ صرف ایک گھر، پہننے کے لیے صدری اور لنگوٹی سے زیادہ نہ تھا۔ دونوں نے اپنی عمر میں جوتی پاؤں میں نہ دیکھی اور نہ کبھی ڈھنگ کے کپڑے زیبِ تن کیے۔ بڑی منتوں مرادوں کے بعد ادھر اُدھر سے بچت کر کے بوسکی کے کپڑے کا ایک شاندار جوڑا سلوایا گیا۔ نئے موزے بھی خریدے اور موسیٰ کی شادی ہوئی۔ شادی کے بعد اکلوتا جوڑا اور بوٹ لکڑی کی بنی ہوئی پرانی صندوق میں اس طرح سنبھال کر رکھ دیئے گئے جیسے کپڑوں اور موزوں کے بجائے ہیرے جواہرات ہوں۔

ہر کوئی ان کے پیار کی مثال دیا کرتا اور جب کہیں کسی کو جانا ہوتا تو وہ جوڑا نکال کر پہن لیتا۔ اکثر بڑے بھائی کو یہ قربانی دینی پڑتی کہ بس عیسیٰ جائے میں دوسری دفعہ چلا جاؤں گا۔ اس طرح سے ان کی زندگی گزرتی رہی۔ ہمارے سماج میں اسطرح سے انسانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکا جاتا ہے اور یہ ظلم آخر کب تک ہوتا رہے گا اور انسانوں کا استحصال ہوتا رہے گا۔(۲۱)

کلاچی کے گرداب میں!

موریل کا تعلق ایک غریب خاندان سے تھا۔ وہ ایک چھوٹے سے گاؤں کا باشندہ تھا۔ بچپن میں باپ کی وفات کے بعد ماں نے سلائی کڑھائی کے ساتھ اوروں کے گھروں میں کام کر کے پال پوس کر لکھایا پڑھایا تھا۔ جس نے اپنی محنت کے بل بُوتے پر ٹیچر کی نوکری حاصل کی تھی اور پانچ سالوں سے کراچی کے ایک سرکاری اسکول میں بطور رسندھی زبان کے استاد کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کر رہا تھا مور یل کاول جب کبھی شہر کی رنگینیوں والی زندگی سے اچاٹ ہو جاتا تھا تو وہ مورڑو کے ساتھ اس کے بھائیوں کی قبروں پر پھول نچھاور کرتا، فاتحہ پڑھ کر آنے والے وقت کے کئی گھنٹے وہاں بیٹھا دلی سکون محسوس کرتا رہتا تھا۔ کراچی کے حالات دن بدن خراب ہوتے جارہے تھے کبھی شاپنگ مالز، کبھی ہوٹلوں، سڑکوں پر فائرنگ کے واقعات عام ہوتے جارہے تھے۔ کسی کی بھی جان ومال محفوظ نہیں تھے یہاں تک کہ کسی کی عزت بھی محفوظ نہیں تھی۔ اس دن یہی ہوا جیسے ہی وہ خریداری کے لیے شاپنگ مالز میں گیا۔ فائرنگ شروع ہوگئی وہ کسی نہ کسی طرح سے بچ بچا کر گھر پہنچ پایا۔ صبح وہ اپنے گاؤں جانے کے لیے گھر سے نکلا تو ہر طرف سناٹا نظر آیا۔ جیسے ہی وہ بس اڈے پر پہنچ کر کے حالات کا جائزہ لے رہا تھا تو دوسری طرف اندھا دھند فائرنگ میں وہ مارا گیا۔ موریل نے اس لمحے اپنی بند ہوتی آنکھوں کو کچھ پل کے لیے پھر سے یوں کھولا جیسے موت کے فرشتے سے یہ پل اُدھار لیے ہوں۔ وہ کراچی کی دھرتی کو یوں بوسہ دینے لگا جیسے گاؤں پہنچ کر سب سے پہلے گاؤں کی زمین پر سر جھکا کر بوسہ دیا کرتا تھا۔ موریل کے جسم سے بہہ نکلا خون سڑک پر ایسے پھیلتا گیا جیسے وہ پھر سے سندھ کی تاریخ رقم کرنے لگا تھا۔ موریل اپنے کھنچتے ہوئے لہجے سے پھر یہ کہتے ہوئے ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جاتا ہے۔ "مورڑو! میرے جانباز تو کہاں ہے۔ مورڑو آکر دیکھ تیری کلاچی میں پھر سے مگرمچھ نکل آئے ہیں، مور۔۔۔۔۔ر۔۔۔۔ڑو"(۲۲)

کہانی ہر دور کی:

یہ کہانی ہر دور کی کہانی ہے۔ یہ کہانی ہمارے اس سماج کی ہے جس میں انسانوں کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ یہ کہانی "عبدو" کی نہیں بلکہ ہر اس شخص کی ہے جو مظلوم ہے۔ کوئی اپنوں کا ستایا ہوا ہے، کوئی بھوک سے مر رہا ہے کسی کا کوئی پرسانِ حال نہیں کوئی ان کا مداوا نہیں کرتا۔ سب اپنی اپنی دنیا میں مگن ہیں۔

یہ کہانی ہر دور کی ہے حکمران کس طرح سے لوگوں کو پیستے ہیں، خالی وعدے کرتے ہیں کہ ملک سے غربت ختم کر کے خوشحالی لائیں گے، لوگوں کو روزگار دے کر بے روزگاری ختم کریں گے۔ "ملک میں اب کوئی بھی بھوکے پیٹ نہیں رہے گا"۔ ملک سے غربت کا مکمل خاتمہ کیا جائے گا۔ سب مل کر لوگوں کو لوٹ رہے ہیں۔ آخر ایسا کب تک ہوتا رہے گا اور یہ ظلم کب تک چلتا رہے گا اور ہم کب سکھ چین سے سانس لے سکیں گے۔ غربت کب ختم ہوگی کب ہم ترقی یافتہ ملک کہلائیں گے۔(۲۳)

ایاز قادری کو دیگر افسانہ نگاروں کے مقابلے میں منفرد حیثیت اس لیے حاصل رہی ہے کہ اس نے کردار نگاری کے لیے سندھی معاشرے کے غریب افراد کو چنا ہے۔ اس لیے ان کے افسانوں میں سماجی حقیقت نگاری کے ساتھ ساتھ مقامیت کا رنگ بھی کافی نمایاں نظر آتا ہے۔ مثلاً ان کے افسانے "بلو دادا" کا مطالعہ کیا جائے گا تو ہمیں کراچی کی لیاری کی تصویر نظر آئے گی۔ ان کے اکثر و بیشتر افسانوں میں اس طرح مقامیت کا رنگ نظر آتا ہے۔

ایاز قادری کے افسانے "کتے کی موت" میں سماجی حقیقت نگاری کی مثالی جھلک نظر آتی ہے۔ ایاز قادری کے دور سے لے کر ہمارے دور تک سندھ کے وڈیرے کلاس کی ذہنیت اور نفسیات نہیں بدلی۔ یہ طبقہ عام آدمی کو انسان ہی نہیں سمجھتا۔ اس افسانے میں گلو نامی آدمی سخت سردی کے موسم میں وڈیرے کا کتا تو تلاش کر آتا ہے، مگر وڈیرہ کتے کو بچانے میں لگ جاتا ہے اور گلو کو پوچھنے والا کوئی نہیں، وہ ٹھٹھر کر مر جاتا ہے۔

ایاز قادری کے زیادہ تر افسانوی کردار غریب، مظلوم اور مایوس طبقے سے لیے گئے ہیں، اس کی گواہی میں "بلو دادا"، "کتے کی موت" افسانے کا کردار "گلو"، "ہاجراں" افسانے کا کردار "ھاجراں"، "کفن چور" افسانے کا کردار مولوی "کالی" افسانے کا کردار "بخشو" اور "یہ ظلم کب تک" کے کردار موسیٰ اور عیسیٰ مثال کے طور پر پیش کیے جاسکتے ہیں۔

ایاز قادری کے افسانے سندھ کی سماجی تاریخ کی مانند ہیں۔ ان افسانوی میں سندھ کے اپر، مڈل اور لوئر کلاس کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں، اس کا اندازہ لگانا ہو تو ایاز قادری کے افسانے "قانون" کو ملاحظہ فرمائیں۔ کارو اور کاری کے انسان۔ دشمن گناہ کو کس طرح پروان چڑھایا جاتا ہے، اس کا اندازہ لگانا ہو تو ایاز قادری کے افسانے "کالی" کا مطالعہ کریں۔ روشنیوں کے شہر۔ کراچی میں کس طرح امن-دشمنی کی روایت قائم رکھی گئی ہے؟ اس کا اندازہ لگانا ہو تو ایاز قادری کا افسانہ "کلاچی کے گرداب میں" بغور پڑھیں اور ہمارے مقدر میں کیسے کیسے "لیڈر" لکھے گئے ہیں؟ اس کا اندازہ لگانے کے لیے ایاز قادری کے افسانے "لیڈر" کا مطالعہ کریں۔

ایاز قادری نے اپنے افسانوں میں نہایت سلیس اور عام فہم زبان استعمال کی ہے۔ بہترین منظر نگاری ان کے افسانوں کی جان ہے۔ افسانوں میں کرداروں کے ڈائلاگ مختصر اور مناسب نظر آتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کے افسانوں کی سماجی مقصدیت ہے، اور وہ ذہنی و فکری عیاشی سے پاک و صاف ہیں۔ ان مختصر وجوہات اور گواہیوں کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایاز قادری اپنے دور کے ایک مثالی افسانہ نگار تھے۔

حوالہ جات:

۱۔ پٹھان، ڈاکٹر در محمد: "ادب ماحول"، گلشن پبلی کیشن، حیدرآباد، ۱۹۸۶ء، ص ۷۵۔

۲۔ جونیجو، ڈاکٹر عبدالجبار: "سندھی ادب کی تاریخ"، روشنی پبلی کیشن کنڈیارو، ص ۱۰۲۔

۳۔ ایاز قادری سے انٹرویو، جو ڈاکٹر در محمد پٹھان نے ۲۰ مارچ ۱۹۷۵ء کو کراچی میں لیا۔

۴۔ میمن، ڈاکٹر عبدالمجید سندھی: "سندھی ادب کی تاریخ"، مھران پبلیکیشن، شکارپور، ص۹۹۔

۵۔ ایاز قادری: "کہانی ہر دور کی"، قادری قلم - قبیلو، کراچی / لاڑکانہ، ۲۰۰۸ء، ص۱۵۵۔

۶۔ ایضاً، ص۱۸۵۔

۷۔ ایاز قادری: "بلو دادا اور کہانی ہر دور کی"، شاہ عبداللطیف بھٹائی چیئر، کراچی، ۲۰۲۲ء، ص۱۸۔

۸۔ ایاز قادری: "کہانی ہر دور کی"، قادری قلم - قبیلو، کراچی / لاڑکانہ، ۲۰۰۸ء، ص۱۷۸۔

۹۔ ایضاً، ص۲۱۲۔

۱۰۔ ایاز قادری: "بلو دادا اور کہانی ہر دور کی"، شاہ عبداللطیف بھٹائی چیئر، کراچی، ۲۰۲۲ء، ص۳۶۔

۱۱۔ ایضاً، ص۴۲۔

۱۲۔ اختر شاد سومرو: "ایاز حسین قادری — علمی، ادبی خدمات کا جائزہ"، مرک پبلی کیشن، کراچی، ۲۰۲۳ء، ص۷۶۔

۱۳۔ ایضاً، ص۸۷۔

۱۴۔ ایاز قادری: "کہانی ہر دور کی"، قادری قلم - قبیلو، کراچی / لاڑکانہ، ۲۰۰۸ء، ص۲۵۔

۱۵۔ ایاز قادری: "بلو دادا اور کہانی ہر دور کی"، شاہ عبداللطیف بھٹائی چیئر، کراچی، ۲۰۲۲ء، ص۴۷۔

۱۶۔ ایاز قادری: "کہانی ہر دور کی"، قادری قلم - قبیلو، کراچی / لاڑکانہ، ۲۰۰۸ء، ص۱۶۲۔

۱۷۔ ایضاً، ص۹۲۔

۱۸۔ اختر شاد سومرو: "ایاز حسین قادری — علمی، ادبی خدمات کا جائزہ"، مرک پبلی کیشن، کراچی، ۲۰۲۳ء، ص۹۷۔

۱۹۔ ایاز قادری: "کہانی ہر دور کی"، قادری قلم - قبیلو، کراچی / لاڑکانہ، ۲۰۰۸ء، ص۱۱۴۔

۲۰۔ اختر شاد سومرو: "ایاز حسین قادری — علمی، ادبی خدمات کا جائزہ"، مرک پبلی کیشن، کراچی، ۲۰۲۳ء، ص۸۸۔

۲۱۔ ایاز قادری: "بلو دادا اور کہانی ہر دور کی"، شاہ عبداللطیف بھٹائی چیئر، کراچی، ۲۰۲۲ء، ص۱۳۲۔

۲۲۔ ایاز قادری: "کہانی ہر دور کی"، قادری قلم - قبیلو، کراچی / لاڑکانہ، ۲۰۰۸ء، ص۵۱۔

۲۳۔ ایضاً، ص۲۵۔

کتابیات:

۱۔ پٹھان، ڈاکٹر در محمد: "*ادب اور ماحول*"، گلشن پبلی کیشن، حیدرآباد، 1986

۲۔ جونیجو، ڈاکٹر عبدالجبار، *سندھی ادب جی تاریخ*۔ روشنی پبلی کیشن، کنڈیارو، (س ن)۔

۳۔ میمن، ڈاکٹر عبدالمجید، *سندھی ادب جی مختصر تاریخ*۔ مہران پبلی کیشن شکارپور، (س ن)۔

۴۔ قادری، ایاز۔ *کہانی ہر دور کی*۔ قادری قلم - قبیلو، کراچی / لاڑکانہ، 2008ء۔

۵۔ قادری، ایاز۔ *بلو دادا اور کہانی ہر دور کی*۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی چیئر، کراچی، 2022ء۔

۶۔ سومرو، اختر شاد۔ *ایاز حسین قادری کی علمی ادبی خدمات کا جائزہ*۔ مرک پبلی کیشن، کراچی، 2023ء۔